بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اشارات

تاریخ کی ہر کروٹ جماعتوں، تحریکوں، قوموں اور تمدنوں کے سامنے ایک نہ ایک نیا مطالبہ و تقاضا لارکھتی ہے اور پھر اس کا جواب مانگتی ہے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ زندگی ہر آن ایک دعوتِ مبارزت دیتی ہے اور پکارتی ہے کہ کسی میں جینے کا کس بل ہو تو اپنی قوتیں پیکارگاہِ خیر و شر میں لائے اور بقا کا حق ثابت کرے۔ نت نئے چیلنج سامنے آتے رہتے ہیں اور ہر مدعیٔ عشق سے کہتے ہیں کہ "پیش کر غافل، اگر کوئی عمل دفتر میں ہے!"

وہی قومیں باقی رہتی ہیں اور حالات کی زمام ہاتھ میں لے سکتی ہیں جو تاریخ کی ایک ایک دعوتِ مبارزت پر لبیک کہنے کے لیے مستعد رہیں۔ ہر چیلنج جو سامنے آ رہا ہو اسے ماہرانہ بصیرت سے ٹھیک ٹھیک پڑھ سکیں، اس کا جواب فکر و عمل کی پوری قوتوں سے دیں، جواب دیں تو ٹھیک ٹھیک جواب دیں اور ٹھیک جواب عین وقت پر دیں۔ نہیں تو کسی ایک مرحلے پر بازی ہر جانے سے پہلے کے جیتے ہوئے میدان بھی ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ ہند و پاک کے سامنے ایک چیلنج یہ آیا تھا کہ وہ غلامی سے نکلنے کے لیے جو کچھ کر سکتی ہو کر دکھائے۔ اس کا جواب انقلاب ۱۸۵۷ء، تحریک مجاہدین، تحریک خلافت اور اس کی متوارث تحریکوں اور تنظیموں کی صورت میں دیا گیا۔ پھر دوسرا چیلنج ہندو امپریلزم اور متحدہ وطنی قومیت کی صورت میں سامنے آیا۔ اس چیلنج نے تحریکِ پاکستان برپا کی اور پاکستان وجود میں آگیا۔ پاکستان کے تشکیل پذیر ہوتے ہی یہ مسئلہ چیلنج بن کر نمودار ہوا کہ اس نو خیز ریاست کی اساس کس نظریے پر ہو گی۔ اس کے جواب میں مطالبۂ دستورِ اسلامی پیدا ہوا اور قوم نے اسے منوا کے دم لیا۔ مگر اس اہم مرحلے کے طے ہو جانے سے فرائض اور ذمہ داریوں کا دور ختم نہیں ہو گیا۔ تاریخ کے پاس ہر نئے مرحلے کے لیے ایک نیا چیلنج موجود رہتا ہے۔ آج پھر ایک نئی دعوتِ مبارزت سامنے ہے۔ اسے پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس کا جواب ہمیں دینا ہے،

بر وقت جواب دینا ہے : صحیح اور "بھرپور" جواب دینا ہے۔ آیئے غور سے مطالعہ کریں کہ کیا چیلنج سامنے ہے :

دستور کا بن جانا ——— اور بڑی حد تک اسلامی رنگ کے ساتھ بن جانا ——— ایک فالِ نیک ہے۔ مگر اس کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ بس منزل مار لی۔ دستور میں اسلامی رنگ کے آجانے کے باوجود مخالفِ اسلام عناصر نے اپنا ذہن بدل نہیں لیا اور نہ انہوں نے میدان چھوڑ دیا ہے۔ وہ پہلے کی طرح معاشرے کی سیاسی و معاشی تقدیر کا سر رشتہ تھامے ہوئے ہیں، پارٹیوں اور پریس میں اثر و رسوخ رکھتے ہیں، اور بین الاقوامی طاقتوں کی حمایت و اشیر باد ان کی پشت پر ہے۔ وہ دستور کے اسلامی عنصر کے خلاف ہسٹیریائی جذبے کے ساتھ اندر ہی اندر دانت پیس رہے ہیں اور اسے غارت کرنے کے لیے بہتر موقعوں کی تاک میں ہیں۔

یوں تو مخالف طاقت کے عزائم بالکل واضح ہیں، لیکن اس موقع پر ایک چھوٹی سی اہم کتاب (اہم اپنے معیار کے لحاظ سے ہرگز نہیں، بلکہ اس کی اہمیت صرف یہ ہے کہ امریکی ذہن کے ساتھ پاکستان کی داخلی کشمکشِ افکار سے دلچسپی لی گئی ہے۔ معیار کے لحاظ سے یہ تیسرے درجے کی کتاب ہے) کے مختصر سے حوالے پیش کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پروفیسر کینتھ بل اسمتھ برعظیم ہند و پاک کے مسلمانوں کے ساتھ دیرینہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ حال ہی میں موصوف نے "پاکستان ایک اسلامی ریاست کی حیثیت سے" (PAKISTAN AN ISLAMIC STATE) کے عنوان سے اپنے تاثرات قلمبند کیے ہیں۔ مؤلف کی تحقیق یہ ہے کہ :

"اس بحث کے نتیجے میں ہماری توجہ ایسے افراد کے ایک قابل لحاظ گروہ کی طرف مبذول ہو جاتی ہے جو ہیں تو مسلمان اور اسلامی ریاست کے نظریے سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ اب جبکہ تقسیم عمل میں آچکی ہے اور مسلمان عملاً اقتدار پاچکے ہیں، یہ لوگ سیکولر جمہوریت کے علمبردار ہیں۔ یہ گروہ چھوٹا سا ہے اور کھل کر سامنے نہیں آرہا، تاہم دماغی اینچ پینچ میں ماہر ہے، قابل ہے اور اپنے اندر بعض قوت دار ہستیاں رکھتا ہے (اس کے اندر چھوٹے لوگوں کی ایک تعداد بھی شریک ہے جو طاقت بالکل نہیں رکھتے لیکن ذہین اور تعلیم یافتہ ضرور ہیں)۔ ان کے لیے ترکیہ اسوہ ہے۔"   (کتاب مذکور صفحہ ۹۲-۹۳)

اس سلسلے میں مؤلف نے بعض اکابر کے اقوال تصریحِ اسماء کے بغیر درج کیے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"پانچ برس کے اندر اندر پاکستان ترکیہ کی طرح پردے وغیرہ سے آزاد ہو کر ایک سیکولر جمہوری اور مغربی رنگ میں رنگی ہوئی ریاست ہو گا۔ اندھی مذہبیت کا وہ جذبہ جس پر پاکستان کی تاسیس ہوئی ہے، کافور ہو جائے گا۔ یہ تھی ہی محض اندھی مذہبیت، اور یہی ہماری زندگی کا خطرناک روگ ہے۔ یہ تحریک (تحریکِ پاکستان) فی الحقیقت ایک مذہبی تحریک نہ تھی۔ میرا جی چاہتا ہے کہ یہاں کوئی کمال اتاترک اٹھے اور ایک ماڈرن سیکولر اسٹیٹ کی بنا ڈال دے۔ یہی ارمان کچھ اور لوگوں کے بھی ہیں۔ لیکن ایسا ہونا مشکل ہی سے متوقع ہے۔ تھیوکریسی مغرب کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی اور وہ یہاں بھی تباہ کن ثابت ہو گی۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ بات قطعی ناگزیر ہے کہ مذہب ریاست کو الگ کر دیا جائے۔ جیسا کہ ترکیہ میں ہے .... میں جدید تقاضوں کو پورا کر سکنے والے ایسے حکومتی ڈھانچے کی تشکیل ناممکن سمجھتا ہوں جو ساتھ ہی ساتھ ان اصولوں سے مطابقت رکھتا ہو جن کو اسلامی کہا جاتا ہے۔ لوگ مجھے یہ باتیں کھلم کھلا کہنے کا موقع نہیں دیں گے۔ وہ خلافتِ راشدہ کو نمونہ بنانے پر اصرار کریں گے اور ساتھ ہی بزور دعویٰ کریں گے کہ سیاسی جمہوریت اُس دور میں قائم ہو چکی تھی .... وزارتی حلقوں میں بعض اصحاب یہ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس معاملے میں زبان نہ کھولو، ورنہ اس کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا کہ تم مخالفت پیدا کر لو گے۔ بس ایک جمہوری ریاست کی تعمیر میں آگے بڑھتے جاؤ، خواہ کسی قدر دھیمی چال سے"! (ایضاً ص ۹۶-۹۴)

"یہاں واضح طور پر پورے زور کے ساتھ یہ خطرہ موجود ہے کہ ملّا اپنی پکار کو جذباتی رنگ دے کر بازی لے جائے۔ یہ اندیشہ ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے ...... لیکن ... ہم پوری طرح یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ تعلیم[1] اور اس کے ساتھ ساتھ جو کچھ مزید کام یہاں ہو رہا ہے، اس کے زیرِ اثر پاکستان کے

---

[1] نگاہ میں رکھیے کہ نظامِ تعلیم کو مغرب زدہ گروہ اپنے طبقاتی نظریات کے فروغ کے لیے اور ملت کے متفقہ تصورات کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ علاوہ بریں "جو کچھ مزید کام یہاں ہو رہا ہے" کی وسیع معنویت کا اندازہ بھی ضرور فرمائیے کہ اس فقرے میں کن کن سرگرمیوں کی طرف اشارہ ہے۔

عوام ایک رجعت پسندانہ تعبیر کے مقابلہ میں ترقی پسندانہ تعبیر ہی کو اختیار کریں گے ہم چاق و چوبند ہیں اور اپنی مخصوص تعبیر کو سامنے لانے کے لیے تمام ممکن اقدامات کریں گے اور ہم توقع کرتے ہیں کہ یہ تعبیر چھا جائے کی[۱] (ایضاً ص۹۸-۹۷)

"ہمارے لیے یہ ایک کابوس ہے۔ ملا کے برسر اقتدار آنے کا خطرہ بڑا سنجیدہ معاملہ ہے یہ تباہ کن حادثہ ہو گا۔ یہ خوفناک ہے!" (ایضاً ص۹۹)

"ہم نے پاکستان میں ملا کو صاف طور پر مسترد کر دیا ہے۔ پنجاب میں ایک تحریک (اشارہ ہے اضطراباتِ پنجاب ۱۹۵۳ء کی طرف! ن-ص) اٹھی تھی جو ناکام ہو گئی۔ یہ ناکامی اپنے اندر معرکہ آرا اہمیت رکھتی ہے۔ یہ لوگ ایک جمود زدہ طبقہ ہیں اور بالکل جاہل! سیدھی سی بات ہے کہ وہ مقابلہ نہیں کر سکتے، ان کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔" (ایضاً ص۱۰۱)

ان الفاظ کے پردے میں گہری نظر سے دیکھیے تو ایک بزدلانہ و منافقانہ ذہنیت پیچ و تاب کھاتی نظر آتی ہے جیسے ہم پوری قوم کے خلاف ایک وسیع سازش میں منہمک پاتے ہیں۔ اس طرح کی مضطرب، خوف زدہ، مغلوب الغضب اور نفاق پسند طاقت جب گھات میں بیٹھی ہو تو اسلام پسند طاقت کو کب ایک لمحہ بھی دم لینے کا ہاتھ آ سکتا ہے۔

اب ذرا عملی حالات کا جائزہ لیجیے۔

پہلی اہم ترین حقیقت یہ ہے کہ ایوانِ سیاست آہستہ آہستہ ایک تھیٹر کی شکل اختیار کر گیا ہے جس کے اسٹیج پر آنے والے "چاند" اور "ستارے" جو کچھ حلیت پھرت بھی دکھائیں، اصل کھیل چند ہدایت کاروں کے ہاتھ میں ہے جو پسِ پردہ بیٹھے تار ہلاتے رہتے ہیں۔ یہ ہدایت کار اندر ہی اندر ایک دوسرے کی کاٹ کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور جوڑ توڑ کا ایک چکر چل رہا ہے۔ عوام محض تماشائی ہیں۔ ان کے لیے ہر جانے والے کا جانا بھی ایک تماشا ہے اور آنے والے کا آنا بھی ایک تماشا ہے۔ وہ کسی

---

[۱] واضح رہے کہ یہ برسرِ اقتدار گروہ کے کسی خاص فرد کے خیالات ہیں جو بروایتِ موٴلف دستوریہ کے ایک ممتاز رکن تھے۔

منظر پر آ کر لیتے ہیں اور کسی پر دار کر دیتے ہیں، مگر جمہوریت کے تحت نئے ڈراموں میں خود ان کی امنگوں کا کچھ دخل نہیں۔ پھر اس تھیٹر میں یکے بعد دیگرے ایسے طربیے لائے جا رہے ہیں جو ان کو مایوس اور بددل کر دینے والے ہیں۔ خواص کی سیاست جو عوام کو اپنے میدان سے باہر دھکیل کر تماشائیوں کی گیلری میں پہنچا دے، ایک اسلامی دستور کے برگ و بار لانے کے لیے کبھی سازگار فضا بہم نہیں پہنچا سکتی۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ یہ ڈرامائی سیاست ملک کی مجموعی قیادت کو تیزی سے انحطاط کی طرف لے جا رہی ہے۔ پارٹیوں کی تاریخ دیکھیں یا یکے بعد دیگرے جلوہ گر ہونے والے لیڈروں کا جائزہ لیں اور وزارتوں کا تسلسل سامنے رکھیں، صاف نظر آ رہا ہے کہ حالات کا "ارتقاء" پستی کی طرف ہو رہا ہے۔ یہ ایک مٹنے والی طاقت کی علامت ہے۔ دورِ غلامی کی پروردہ قیادت اپنی تاریخ کے آخری ابواب مکمل کر رہی ہے۔ وہ جیسے گھبراہٹ کے عالم میں ایک کے بعد دوسرا مہرہ لا رہی ہے اور بدقسمتی سے ہر مہرہ پٹتا چلا جا رہا ہے۔ بزمِ قیادت کا داخلی ماحول اب اتنا پراگندہ ہو چکا ہے کہ اس میں خود اسی بزم کا ایک آزمودہ رکن — اور ذہن و کردار کے لحاظ سے نسبتہً بہتر اور مضبوط تر رکن — چوہدری محمد علی بھی چند ماہ سے زیادہ ٹِک نہیں سکا۔ ناسازگار حالات نے اس دیرینہ مردِ کار کو مجبور کر دیا کہ وہ اس بزم کو سلام وداع کہہ دے۔ آج وہ ایوان سے باہر کھڑا ہے۔

تیسری حقیقت یہ ہے کہ غیر عوامی سیاست اور زوال پذیر قیادت نے یہ تشویشناک صورتِ حالات پیدا کر دی ہے کہ اس ملک کے اندر پائے جانے والے سیکولر جمہوریت اور وطنی قومیت کے علمبردار جن کو پاکستان کے اساسی نظریے سے پرانا اختلاف رہا ہے ابھر کر بالکل اوپر آ گئے ہیں۔ ان عناصر نے انڈیا کے زیرِ اثر کام کرنے والے ہندوؤں، کانگریسی حضرات، کمیونسٹ افراد اور ذاتی اقتدار کے بوالہوسوں سے گٹھ جوڑ کر کے سیکولر بنیادوں پر نئی پارٹیاں کھڑی کر دی ہیں — جی ہاں! نئی پارٹیاں جن کا ابھی تک کوئی اصولی و دستوری سر پیر نہیں اور جو افراد کے "تنوع" کے لحاظ سے معجونِ مرکب بن رہی ہیں! انہی کی مخلوط حکومتیں صوبوں اور مرکز میں قائم ہیں۔ ان پارٹیوں کے اختلاط نے ایسے لوگوں کو قیادت کی صفِ اوّل میں لا ڈالا ہے جو دستور کے اسلامی پہلو کی علی الاعلان مخالفت کرتے رہے ہیں اور جنہوں

نے اس پہلو سے دستور میں ترامیم کرانے کے عزائم باندھے ہیں۔ ادھر حزب اختلاف کے دائرے میں انہی کے ردِ عمل سے چھ پس ماندہ جماعتوں نے سیکولر طرزِ فکر کی بنیاد پر اتحاد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

چوتھی حقیقت یہ ہے کہ سیکولر عناصر نے اوپر آتے ہی اُس راستے پر اقدام شروع کر دیا ہے جو سیکولرازم کی طرف جاتا ہے۔ ان کا پہلا قدم یہ ہے کہ پاکستان کے دو قومی نظریے کو لپیٹ لپاٹ کر بالائے طاق رکھ دیا جائے اور جداگانہ انتخاب کے بجائے مخلوط انتخاب کا طریقہ رائج کر دیا جائے۔ اس چھوٹی سی کنجی سے ایک دروازہ بند کرنا اور دوسرا دروازہ کھولنا مطلوب ہے۔ یعنی جب مسلم اور غیر مسلم ایک وطنی قوم قرار پا جائیں اور ایک کے نمائندوں کا انتخاب ___ مغربی پاکستان کے چند اور مشرقی پاکستان کے بہت سے حلقوں میں ___ دوسروں کے تعاون کا محتاج ہو جائے تو قدرتی طور پر پارٹیاں سیکولر بنیادوں پر بنیں گی تاکہ ان کے نام اور دستور اور پروگرام میں دو طرفہ جاذبیت موجود ہو اور وہ دین کو اپنے اپنے گھروں میں محدود کر کے اتنا توسع پیدا کر لیں کہ مشترک مقاصد پر غیر مسلموں کے ساتھ جمع ہو سکیں۔ ایسی پارٹیاں اسلامی دستور کے تحفظ اور اسلامی نظام کی تعمیر و تشکیل کے لیے تو کیا کر سکیں گی، ان کے لیے اسلام کا نام تک لینا ممکن نہ رہے گا۔ اس کی ایک عبرت ناک مثال موجود ہے کہ سہروردی صاحب نے اپنی پارٹی کے نام سے لفظ مسلم کو خارج کر دیا۔ دوسری طرف جو پارٹیاں اسلامی دستور اور اسلامی نظام کے بارے میں کوئی ذمہ داریاں قبول کریں گی ان کے لیے ہندو عنصر کے دروازے تو بالکل مقفل ہوں گے اور ان کے ساتھ ساتھ سیکولرسٹ مسلمانوں سے الگ مقابلہ درپیش ہوگا۔ اس طرح ایک چھوٹے سے دستوری فیصلے کے ذریعے یہ لوگ پارٹی پالیٹکس کی پوری فضا کو اسلام سے خالی کرا لینا چاہتے ہیں۔ یہ ایک چال ہے جس کے ذریعے اسلامی نظام کی تحریک کے لیے راستہ بند کرنا مطلوب ہے اور دستور کے اسلامی تقاضوں کے بالکل خلاف سیکولر سیاست کا دروازہ کھولنا پیش نظر ہے۔ قطع نظر ان نقصانات کے جو ہماری پالیسی، ہمارے مسئلہ کشمیر اور مشرقی پاکستان کی صورتِ حالات پر مترتب ہوں گے، یہ ایک نقب زنی ہے اسلامی دستور کے حصار میں، جس کا مقصد سیکولرازم کے لشکروں کو چپکے سے اندر داخل کر دینا ہے۔

پانچویں حقیقت یہ ہے کہ کلچر اور معاشرت کے دائرے میں نہایت خاموشی سے، مگر منظم طریق سے

یہ مہم جاری ہے کہ آرٹ اور تفریحات اور کھیل تماشوں[1] کی شراب پلا کر قوم کو اپنی حقیقت سے غافل کر دیا جائے، پھر اس کے ہاتھوں سے معاشرت کی ان تمام جڑوں کو کھود ڈالا جائے جو اسلامی دستور کے لائے ہوئے موسم بہار میں پھوٹ سکتی ہیں اور ان تمام قدروں کے چراغ گل کرا دیئے جائیں جن کی روشنی میں یہ قوم ہزار ٹھوکریں کھانے کے بعد بہرحال اپنے نصب العین کا سراغ پا سکتی ہے۔ صرفِ کثیر ہو رہا ہے اس پر کہ گھروں کی چار دیواری میں عورت جو ماضی کا سرمایۂ روایات سینے سے لگائے، اپنی ایک الگ محفوظ دنیا بسائے آئندہ نسلوں کی صورت گری کر رہی ہے اسے اس قلعہ سے باہر نکال کر خاندانی ماحول کو بالکل اجاڑ دیا جائے۔ بہت سارے ملکی اور غیر ملکی ماہرین کے دماغ ایسی اسکیمیں عمل میں لا رہے ہیں جن کے ذریعے مغربی تمدن کی ہر وبا کو دیہات تک پہنچا دیا جائے جہاں کہ اصل پاکستان بستا ہے اور جہاں قومی زندگی کے کارکن بڑی تعداد میں پلتے ہیں۔ اس مہم میں غیر ملکی طاقتوں کی ذہنی اور مالی مدد بھی استعمال ہو رہی ہے اور ان کے بھیجے ہوئے مردانِ کار و زنانِ کار کے گروہ قوم کے اندر گھس گھس کر مشیروں کی حیثیت میں دن رات کام کر رہے ہیں۔ یہ افسوسناک حالت ایسی ہے جیسے کسی گھر کے بزرگ چند پیسوں اور چند فائدوں کے عوض حرم سرا کے دروازے غیروں پر چوپٹ کھول دیں کہ آؤ اور ہماری بہو بیٹیوں کو بہکاؤ۔ اس مقصد کے لیے نظام تعلیم کی پوری مشینری استعمال کی جا رہی ہے (جیسے کہ اوپر ایک اقتباس میں اس کا اشارہ موجود ہے) اور اس کے ساتھ ساتھ "ولیج ایڈ" کا نظام، براڈ کاسٹنگ کا محکمہ، "اپوا" نامی انجمن، کاروباری ادارات تعیش سب مل کر ایک طوفان اٹھانے میں مصروف ہیں۔

چھٹی حقیقت یہ ہے کہ سرکاری سرپرستی میں بعض تصنیفی و اشاعتی ادارے نہایت تیزی سے دین کی ماڈرن اور ترقی پسندانہ تعبیر میدان میں لا رہے ہیں۔ (اوپر کا اقتباس سامنے رہے کہ "اور اپنی مخصوص تعبیر کو سامنے لانے کے لیے تمام ممکن اقدامات کریں گے" ن ج)۔ ان اداروں کا مدعا یہ ہے کہ ایک تو یہ تصور عام کر دیا جائے کہ شریعت پوری کی پوری قابلِ تغیر و تبدل ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ نے اپنی

[1] آج ہی لاہور میں ری پبلکن پارٹی کی کنونشن میں منشور کا جو مسودہ پیش کیا گیا ہے اس میں فنونِ لطیفہ اور تفریحات اور کھیل تماشوں کو فروغ دینے کی ایک مستقل دفعہ موجود ہے۔

تحقیقی کتاب میں یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ سات احکام[۱] (جن کو "المثانی" کا نام دیا گیا ہے۔ ن م) کے سوا اور ہر چیز، خواہ وہ قرآن ہی میں کیوں نہ مذکور ہو، قابلِ تغیر و تبدل ہے اور حالات کے تابع مجلس شوریٰ جو بھی حکم چاہے کسی معاملے میں لگا سکتی ہے۔ دوسرے یہ مطلوب ہے کہ مغربی تمدن کے مفاسد میں سے ہر ایک کے لیے شرعی اباحت کا دروازہ کھولا جائے۔ اس سلسلے میں ایک بزرگ نے موسیقی کا جواز ثابت کیا ہے (سازوں کے ساتھ بھی، رقص کے ساتھ بھی، عورتوں کے ساتھ بھی) دوسرے بزرگ نے دعویٰ کیا ہے کہ اسلام میں شراب نوشی پر سزا نہیں، بدمستی پر سزا ہے۔ مجموعی طور پر شریعت اسلامیہ کا کوئی شعبہ اور اس کا کوئی جز ایسا نہیں جو رواداری، وسعتِ نظر، اجتہاد اور ترقی کے نشتروں کی زد سے بچا رہ گیا ہو۔ تیسرے مقصود یہ ہے کہ اسلام پسند طاقت کو ملائیت اور تنگ نظری اور جعلی شریعت سازی کے طعنوں سے خوب بدنام کیا جائے، تاکہ وہ عوامی دائرے میں کوئی تحریک نہ چلا سکے۔

ساتویں حقیقت یہ ہے کہ عائلی کمیشن کے کارنامے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارا کارفرما ذہن قانون اور خصوصاً معاشرتی نظام کے دائرے میں گاڑی کدھرے جانا چاہتا ہے۔ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی نگاہ میں کیسے مفکرین و محققین مستقبل بنانے کے کام میں حصہ لینے کے قابل ہیں۔ عائلی کمیشن کے تجربے نے بہت سی حقیقتوں سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ یہاں اگر منظم رائے عام برسرِ عمل نہ رہے تو اسلام کا عجیب و غریب یورپین ایڈیشن مہیا کر دیا جائے گا۔

آٹھویں حقیقت یہ ہے کہ موجودہ پارلیمنٹری ترتیب میں کوئی ایسا ردوبدل کرنا جو اسلام کے حق میں مفید ہو، آئندہ انتخابات ہی میں ممکن ہے لیکن انتخابات کو بڑی خوبصورتی سے مؤخر کیا جا رہا ہے۔

نویں حقیقت یہ ہے کہ ہماری داخلی سیاست پر بیرونی اقوام کی پرچھائیں پڑ رہی ہے اور اغیار کے ذہن ہمارے ہر ملکی مدوجزر میں دلچسپیاں لیتے ہیں۔ یہ خارجی طاقتیں اسلامی رجحان کی مخالف اور سیکولرازم کی حامی ہیں۔ ہمارے سیاسی ڈراموں کے پیچھے یہ اپنے تار ہلاتی رہتی ہیں۔ ادھر حال میں انڈیا اور روس نے عرب ممالک کو ہاتھ میں لے کر پاکستان کی خارجہ پالیسی کو جو زک پہنچائی ہے (باقی ۱۲۹ پر)

(باقی ۱۲۹ پر)

[۱] احکامِ عشر میں بھی تخفیف ہو گئی۔

(بقیہ اشارات)

اس کے بعد ان دونوں طاقتوں کے نفوذ کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔ اور اسلامی رجحان کی مخالفت میں یہ اور زیادہ تند و تیز ہیں۔ گویا بین الاقوامی میدان میں ہم دونوں طرف سے گھرے ہوئے ہیں۔

ان حقیقتوں کو سامنے رکھ کر اسلام پسند طاقت کے ہر مدرسۂ فکر کو سوچنا چاہیے کہ کس درجے کا سنگین چیلنج سامنے ہے اور اس کا جواب دینے کے لیے کس کس پہلو سے کیا کیا اور کتنا کتنا کام کس رفتار سے کرنا چاہیے۔ اس چیلنج کا اگر صحیح اور بر وقت جواب نہ دیا جا سکا تو پچھلا کیا کرایا سب غارت ہو جائیگا۔